اسلام اور انسانی حقوق

تحریر: سید جلال الدین عمری

انسانی حقوق کے بارے میں یہ تصور دیا جاتا ہے کہ اس کا احساس جیسے آج ہے' اس سے پہلے نہیں تھا اور انسانوں کی اکثریت انسانی حقوق سے محروم تھی اور ظلم کی چکی میں پس رہی تھی۔ کبھی کہیں سے کوئی آواز اٹھتی بھی تو طاقت ور طبقات کی طاقت کے نیچے دب جاتی۔ اس کی آزادی کا صحیح معنوں میں احساس مغرب کو ہوا اور مغرب ہی نے اس کا واضح تصور دیا۔ کہا جاتا ہے کہ فرانس کے الفانسو شاہ نہم نے یہ قانون منظور کیا یا اس سے منظور کرایا گیا کہ کسی کو بلاوجہ قید نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرے لفظوں میں حبسِ بے جا کو کالعدم قرار دیا گیا۔ اسے انسانی حقوق کی تاریخ میں بہت بڑا اقدام سمجھا جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد فرانس ہی میں روسو پیدا ہوا' اس کی کتاب کا اور اس نے انسانی آزادی کا جو تصور دیا اس کا بڑا چرچا رہا۔ اس نے کہا انسان فطرتاً آزاد ہے اور اسے آزاد ہونا چاہئے۔ اس کتاب کا مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوا اور بڑی انقلابی کتاب سمجھی گئی۔ اردو زبان میں بھی اس کا ترجمہ موجود ہے۔ اس کتاب کے بعد فرانس میں ایک طرح کی ہلچل پیدا ہوئی اور (Declaration of Rights of Man) نامی اعلانیہ شائع ہوا' جس میں انسانی حقوق کا تذکرہ تھا۔ پھر اس کے بعد ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ نے حقوقِ انسانی کا عالمی منشور (The Universal Declaration of Human Rights) شائع کیا۔ اسے اس سلسلے کا بڑا انقلابی قدم سمجھا جاتا ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ انسانی حقوق کا بہت ہی صاف اور واضح تصور اس کے اندر موجود ہے اور انسانوں کو ظلم و زیادتی سے بچانے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔

اس منشور میں جن باتوں پر زور دیا گیا ہے وہ ہیں: فرد کی آزادی' عدل و انصاف اور مساوات۔ قانون کے ماہرین کے نزدیک یہ اس اعلانیے کی بنیادی خصوصیات ہیں اور یہ چیزیں اگر انسان کو مل جائیں تو اس کے حقوق محفوظ ہو جاتے ہیں۔

اس منشور میں بعض خامیاں بھی ہیں اور عملی رکاوٹ بھی ہے۔ ایک یہ کہ یہ منشور منظور تو

ہو گیا' لیکن اس کے پیچھے کوئی قوتِ نافذہ نہیں ہے۔ اگر کوئی ملک خاص طور پر کوئی طاقت ور ملک اس کی خلاف ورزی کرے تو اسے اس کا پابند بنانے کی کوئی ٹھوس اور مؤثر تدبیر اس میں تجویز نہیں کی گئی ہے۔ اس کا ثبوت آپ آج کی دنیا میں دیکھ سکتے ہیں۔ ایک بڑا ملک اپنی طاقت کے زعم میں پوری دیدہ دلیری کے ساتھ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کر رہا ہے اور کوئی اسے روکنے والا نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس میں مذہبی آزادی کو تسلیم کیا گیا ہے' لیکن اس آزادی کے صحیح معنوں میں حدود متعین نہیں ہوئے ہیں۔ فرض کیجئے کہ اگر مذہبی آزادی کا تصور صرف یہ ہے کہ آدمی پوجا پاٹ کرے' عبادت گھر میں جا کے اللہ کی عبادت کرے' مسجد میں نماز پڑھ لے' چرچ میں اپنے مذہب کے مطابق عبادت کر لے' گردوارے میں چلا جائے یا جس کی جو عبادت گاہ ہے اس میں پہنچ جائے اور عبادات کے مراسم ادا کر لے تو یہ بھی ایک آزادی ہے۔ اس سے آگے کچھ خاص معاملات میں آزادی دے کر کہا جا سکتا ہے کہ یہ مذہبی آزادی ہے۔ لیکن اسلام کے معاملے میں مشکل یہ ہے کہ اسلام پوری زندگی کے بارے میں ہمیں ہدایات دیتا ہے اور ایسا کوئی دستور نہیں ہے جو یہ کہے کہ (ایک سکولر ملک میں) مسلمانوں کو اپنے مذہب کے تمام احکام پر چلنے کی آزادی ہے' وہ اپنے دائرے میں اپنا قانون نافذ کر سکتے ہیں۔

تیسری بات یہ کہ مغرب میں چرچ اور اہل مغرب نے اور ان کے زیر اثر برسر اقتدار طبقہ نے انسان کی آزادی فکر و عمل اور اس کے بنیادی حقوق کے سلسلے میں انتہائی غلط رویہ اختیار کیا جس کا صحیح مذہب سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس کے ردعمل میں حقوق انسانی کا موجودہ تصور ابھرا۔ اس میں مذہب کے حقیقی رول کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اللہ کے جو پیغمبر دنیا میں آئے ان کی کیا تعلیمات رہی ہیں' ان کو جب اقتدار ملا تو ان کا کیا رویہ رہا ہے اور انسانیت کس طرح فلاح سے ہمکنار ہوئی ہے؟ یہ چیز کہیں زیر بحث آتی ہی نہیں۔ جیسے یہ طے کر لیا گیا ہو کہ مذہب سے ہٹ کر یا مذہب کو نظر انداز کر کے گفتگو کی جائے گی۔ ظاہر ہے کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کوئی معروضی یا غیر جانبدارانہ مطالعہ ہے' بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ جانب دارانہ مطالعہ ہے جس میں پہلے سے طے کر لیا گیا ہے کہ مذہب کا حقیقی کردار زیر بحث نہیں آئے گا' بلکہ اسے نظر انداز کیا جائے گا۔

یہ ایک واقعہ ہے اور اسلام اسے تسلیم کرتا ہے کہ انسانوں پر ظلم و زیادتی ہوتی رہی ہے

اور آدم علیہ السلام کے پہلے ہی بیٹے نے ظلم و زیادتی کی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اللہ کے پیغمبر جن مقاصد کو لے کر دنیا میں آتے ہیں ان میں ایک بنیادی مقصد زمین پر عدل و انصاف کا قیام اور ظلم کا خاتمہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس مقصد کو انہوں نے دنیا میں عام کرنے اور پھیلانے کی کوشش بھی کی اور جب کبھی انہیں اقتدار ملا تو عدل و انصاف سے دنیا بھر گئی۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے' تاریخ کے ایک طویل عرصے تک اس کی فرماں روائی رہی ہے' اس کے قوانین متمدن دنیا کے بڑے حصے میں نافذ رہے ہیں۔ ان قوانین کا مطالعہ صاف بتاتا ہے کہ یہ قوانین عدل و انصاف کے تقاضے ہر پہلو سے پورے کرتے ہیں اور ان میں وہ تمام حقوق انسانوں کو دیئے گئے ہیں جن کا آج تذکرہ کیا جاتا ہے۔ لیکن جب کبھی اسلام کا ذکر آتا ہے تو ایک تو صحیح معنوں میں اس کے رول کو تسلیم نہیں کیا جاتا' دوسرے یہ کہا جاتا ہے کہ آج کا جو معیارِ فکر و نظر ہے' یا آج انسان تہذیبی و تمدنی لحاظ سے جہاں پہنچ چکا ہے اور جو اس کے تقاضے ہیں' اسلامی تعلیمات اس سے کم تر درجے کی ہیں۔ وہ دورِ حاضر کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا اور عدل و انصاف کا جو اعلیٰ معیار ہونا چاہئے اس نے بہت سے معاملات میں وہ معیار قائم نہیں رکھا ہے۔

ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اسلام ان حقوق کی حفاظت کرتا ہے' اس لئے کہ اسلام ہی کے نام پر ظلم و زیادتی اور دہشت گردی ہو رہی ہے' لوگوں کا خون بہایا جا رہا ہے اور جو لوگ یہ کام کر رہے ہیں وہ اسلام ہی کے حوالے سے کر رہے ہیں' پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اسلام عدل و انصاف اور انسانی حقوق کا محافظ ہے؟ صحیح بات یہ ہے کہ کہیں فی الواقع ظلم ہو رہا ہے یا دہشت گردی پائی جاتی ہے تو اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسلام حقوق انسانی کا پاسبان بن کر آیا ہے' اگر کوئی فرد یا گروہ انہیں پامال کر رہا ہے تو اسے اسلام کی سند ہرگز حاصل نہیں ہوگی۔ اسلام نے انسان کو وہ تمام حقوق دیئے ہیں اور ان کی حفاظت کا جذبہ پیدا کیا ہے جن کا آج دنیا میں چرچا ہے اور اس سے بہت مشکل حالات میں اس نے یہ حقوق دیئے ہیں۔ قرآن یا احادیث میں ان حقوق کا قانون کی زبان میں بیان کم ہوا ہے۔ قانون کی کتابوں میں جس طرح قوانین دفعہ وار لکھے جاتے ہیں کہ پہلی دفعہ یہ ہے' دوسری یہ ہے اور تیسری یہ ہے' اس طرح قرآن و حدیث میں قانون بیان نہیں ہوا ہے' بلکہ اس نے اپنی تعلیمات کے ضمن میں ان قوانین کا حوالہ دیا ہے کہ ان حالات میں یہ قانون ہے۔ اس نے بالعموم کسی قانون کا ایک ہی جگہ ذکر نہیں کیا ہے بلکہ اس کے ایک پہلو کا ایک جگہ ذکر ہے تو دوسرے پہلو کا دوسری جگہ۔ کچھ اور پہلو تیسری جگہ زیر بحث آئے ہیں۔ ان سب کو

ملانے سے جو تصویر بنتی ہے وہ اہم ہے' اور پھر احادیث میں ان کی تفصیلات ملتی ہیں۔ اس کے ساتھ اسلامی قانون پر ہمارے علماء وفقہاء نے بڑا زبردست کام کیا ہے۔ ان کی قانونی وفقہی بصیرت کو صحیح بات یہ ہے کہ کوئی نادان ہی چیلنج کرسکتا ہے۔ جس باریک بینی کے ساتھ انہوں نے قانون کا مطالعہ کیا اور تحقیق کی ہے غالباً دنیا میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک ایک لفظ اور عبارت کے ایک ایک پہلو پر ان کے جو ڈسکشن موجود ہیں اور جس باریک بینی سے جائزہ لیا گیا ہے اس سے قوانین کے متعین گوشے سامنے آتے ہیں اور قانون کی ایک تصویر بنتی ہے۔ اسی تصویر کو سمجھنے اور سمجھانے کی ضرورت ہے۔

اسلام نے انسان کو جو حقوق دیئے ہیں ان پر گفتگو سے پہلے یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ اس کائنات اور انسان کے بارے میں اس کا ایک خاص نقطۂ نظر ہے۔ اس کی بنیادی اہمیت ہے۔ اس کی بعض اصولی تعلیمات ہیں' جن سے وہ کسی قیمت پر ہٹتا نہیں ہے اور اس کا کوئی قانون اِن تعلیمات سے ٹکراتا نہیں ہے۔ اگر آپ کوئی قانون بنائیں یا جاری کریں تو آپ کو اس بات کا خیال رکھنا پڑے گا کہ وہ ان بنیادی تعلیمات سے نہ ٹکرائے۔ اگر وہ ان بنیادی تعلیمات سے ٹکرائے گا تو وہ اسلامی قانون نہیں ہوگا۔ مثال کے طور پر قرآن کہتا ہے کہ اس دنیا کا خالق و مالک اللہ ہے۔ ہر چیز اس کی ملکیت ہے' یہ اس کا ایک بنیادی تصور ہے۔ اس تصور نے ہر ظالم اور ہر جابر کا اقتدار ختم کر دیا ہے اور اسے بتا دیا ہے کہ تم مالک نہیں ہو' مالک تو اللہ ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو اس حیثیت سے تسلیم کرتا ہے تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے پاس اقتدار ہے اور میں بادشاہ ہوں' میں کسی بڑی جائیداد اور پراپرٹی کا مالک ہوں یا لینڈ لارڈ ہوں' یا میری کوئی اور حیثیت ہے یا میں کوئی صنعت کار ہوں' اس لئے جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ جب اصل مالک اللہ ہے تو انسان اس کی ملکیت میں اس کی مرضی ہی کے مطابق تصرف کرسکتا ہے۔ اللہ کی عطا کردہ قوت و طاقت و وسائل و ذرائع کو اس کی مرضی کے خلاف اس کے بندوں پر ظلم و زیادتی کے لئے استعمال نہیں کرسکتا۔ ایک اور مثال لیجئے۔ وہ کہتا ہے کہ موت و حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ ایک بنیادی تصور ہے اور جب تک اللہ چاہتا ہے انسان دنیا میں زندہ رہتا ہے۔ بعض بچے ماں کے پیٹ ہی میں مر جاتے ہیں۔ کوئی پیدا ہوتے ہی مر جاتا ہے۔ کوئی جوان ہو کر مرتا ہے' کوئی بوڑھا ہو کر مرتا ہے۔ یہ فیصلہ کرنا کہ کوئی آدمی اس دنیا میں کب تک زندہ رہے گا' یہ اللہ کا کام ہے۔ اس سے زندگی تم نہیں سلب کر سکتے' اور اگر کرو گے تو اللہ کے اقتدار میں دخل دو گے اور اس کی سزا پاؤ گے۔ اسی طرح وہ کہتا ہے کہ

انسان صرف خدا کا بندہ بن جائے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اس میں اس بات کا اعلان ہے کہ انسان پر حکومت صرف اللہ کی ہے اور کسی دوسرے کو اسے غلام بنانے کا حق نہیں ہے اور ہر اقتدار کو اللہ کے اقتدار کے تابع ہونا چاہئے۔ اس سے آزاد ہو کر کسی انسان پر دوسرے انسان کا نہ تو سیاسی اقتدار جائز ہے اور نہ مذہبی اقتدار۔ اسی طرح قرآن کہتا ہے کہ انسان محترم ہے۔ اس کے احترام کے بہت سے پہلو ہیں۔ اسے اس کے فطری حقوق سے محروم کرنا اس کے احترام کے منافی ہے۔ اگر انسان کو ذلیل کیا گیا تو وہ محترم نہیں رہا' ذلیل ہوا۔ قرآن اس کے خلاف ہے۔ اس طرح اس نے کچھ بنیادی تصورات دیئے ہیں۔ دنیا کے ہر دستور میں تمہیدی باتیں ہوتی ہیں یا رہنما اصول ہوتے ہیں۔ اسلام کے ان بنیادی تصورات کو آپ راہنما اصول کہہ سکتے ہیں۔ ان سے انسانی حقوق کا متعین تصور ابھرتا ہے اور انہیں ایک رُخ ملتا ہے۔ اسلام کے نزدیک قانون دینے کا حق صرف اللہ کو ہے اور انسان اس قانون کا پابند ہے۔ ہاں اس کے عطا کردہ قانون کی روشنی میں وہ حالات کے لحاظ سے اجتہاد کر سکتا ہے۔ کسی کو فرماں روائے مطلق بننے کی اجازت نہیں ہے۔ اللہ کے قانون کے تحت بڑے سے بڑا حاکم اور محکوم دونوں زندگی گزار سکتے ہیں۔ اسلام نے صرف قانون ہی نہیں دیا ہے بلکہ وہ آگاہ کرتا ہے کہ اگر اس قانون پر عمل نہ ہو تو اللہ کے یہاں پکڑ ہو گی۔ وہ آخرت کا خوف پیدا کرتا ہے جس کی وجہ سے اس قانون پر انسان کے لئے عمل کرنا نسبتاً آسان ہو جاتا ہے۔ اگر آخرت پر اس کا یقین ہے تو وہ اللہ کے قانون کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔

حقوق کئی طرح کے بیان کئے جاتے ہیں۔ ایک تو انسان کے شخصی اور ذاتی حقوق ہیں۔ انسان ہے تو اسے کچھ حقوق لازماً چاہئیں۔ ایک حق تو یہ ہے کہ اسے زندہ رہنے دیا جائے۔ کوئی شخص اگر قرآن مجید صرف سرسری انداز میں بھی پڑھے' تو اسے معلوم ہو گا کہ قرآن نے اس حق کو کتنی اہمیت دی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہر انسان جو پیدا ہوتا ہے اسے زندہ رہنے کا حق ہے اور جو لوگ اس کے اس حق کو پامال کر رہے تھے اس نے ان کے خلاف آواز بلند کی۔ جو لوگ کسی بھی وجہ سے' معاشی وجہ سے' شرم و حیا کے خیال سے یا مذہبی نقطۂ نظر سے انسان کی جان کا احترام نہیں کر رہے تھے قرآن نے ان کو چیلنج کیا۔ اس نے کہا کہ کسی کو کسی کی زندگی چھیننے کا حق ہی حاصل نہیں ہے۔ یہ بات اتنی وضاحت اور اتنے مختلف طریقوں سے کہی گئی ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے قرآن انسان کی زندگی کا سب سے بڑا وکیل ہے۔ قانون کے ماہرین کہتے ہیں کہ کوئی حق مطلق نہیں ہوتا' اس میں استثناء بھی ہوتا ہے' اس کے ساتھ شرائط

بھی ہوتی ہیں۔ یہ بات بھی قرآن ہی نے واضح کی ہے کہ کوئی حق مطلق نہیں ہے اور کسی حق کے بارے میں آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بالکل (absolute) ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ انسانی جان محترم ہے لیکن کبھی وہ اپنا احترام کھودے گی اور انسان کا حقِ حیات ختم ہو جائے گا' بشرطیکہ حق و انصاف اس کا تقاضا کرتے ہوں۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ ''وہ انسانی جان کو جسے اللہ نے محترم قرار دیا ہے' قتل نہیں کرتے' مگر حق کے ساتھ''۔ مطلب یہ کہ حق و انصاف کا تقاضا ہو تو اللہ کے بندے انسانی جان لے سکتے ہیں۔ لیکن اگر حق و انصاف اجازت نہ دے تو کسی بھی شخص کو خواہ وہ وقت کا بادشاہ اور مملکت کا فرماں روا ہی کیوں نہ ہو' یہ حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ کسی کو اس کے زندہ رہنے کے حق سے محروم کر دے۔

انسانی حقوق پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں مساوات کو تمام حقوق کی اساس قرار دیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسی تصور سے تمام حقوق نکلتے ہیں کہ سارے انسان مساوی حیثیت کے مالک ہیں۔ ان میں عورت' مرد' بڑے' چھوٹے' امیر' غریب' مالک اور مزدور سب کا درجہ ایک ہے۔ ان میں رنگ و نسل' وطن' علاقے' جنس اور صنف کی بنا پر کوئی فرق نہیں ہونا چاہئے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ آواز جتنے زوردار طریقے سے اسلام نے اٹھائی اور نبی ﷺ نے اسے بیان کیا' اس سے زوردار آواز اٹھائی نہیں جا سکتی۔ قرآن کی آیات اس سلسلے میں معروف ہیں۔ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے جو بے نظیر خطبہ دیا' جسے اسلامی حقوق کا منشور کہا جا سکتا ہے' اگر اسے آپ حقوق انسانی کا اوّلین منشور کہیں تو بے جا نہ ہوگا' اس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰى))

مطلب یہ کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اس میں آپؐ نے سب سے پہلے عربی کا ذکر کیا ہے۔ عربوں کے ذریعے اسلامی انقلاب آیا تھا۔ عرب اس وقت تختِ حکومت پر فائز اور فرماں رواں تھے۔ ان سے کہا گیا کہ یاد رکھو کسی عربی کو کسی عجمی پر فوقیت نہیں ہے اور کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ ہاں' اگر کسی کے پاس تقویٰ ہے تو وہ افضل ہے' اس کا احترام ضرور ہونا چاہئے' سوسائٹی میں اس کی عزت ہونی چاہئے۔ اس کی جگہ یہ دیکھنا کہ کون گورا ہے' کون کالا ہے' کون عربی ہے' کون عجمی ہے اور کس کا کس ملک سے تعلق ہے اور کون مرد ہے اور کون عورت ہے' ناجائز اور غیر اسلامی رویہ ہے۔ یہ اعلان اس وقت کیا

گیا جب دنیا مساوات کا واضح تصور نہیں رکھتی تھی۔

انسان کا ایک بنیادی حق یہ مانا جاتا ہے کہ اسے عدل و انصاف حاصل ہو۔ اس معاملہ میں اسلام کا موقف بالکل واضح ہے۔ قرآن و حدیث میں یہ بات پورے زور اور قوت کے ساتھ کہی گئی ہے کہ معاشرے کے ہر فرد کے ساتھ بے لاگ عدل و انصاف کا معاملہ کیا جائے۔ وہ عدل و قسط کے قیام کو اللہ کے رسولوں کی بعثت کا ایک اہم مقصد قرار دیتا ہے۔ فرمایا گیا ہے: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ مطلب یہ کہ ہم نے رسولوں کو بھیجا کھلی کھلی دلیلیں دے کر اور ان پر ہم نے کتابیں نازل کیں اور انصاف قائم کرنے کے لئے میزان دیا تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ انہیں یہ اختیار دیا گیا کہ وہ اس کے لئے طاقت استعمال کر سکتے ہیں۔ ﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝﴾ (الحدید) یعنی ہم نے لوہا اتارا ہے' اس میں لوگوں کے لئے بڑی دھمکی ہے۔ اس میں جنگ کا سامان ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھے کہ کون اللہ کے احکام و قوانین کے نفاذ کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوی اور عزیز ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں عدل و انصاف قائم کرنا اور اس کے لئے طاقت حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کا راستہ ہے۔ اسلام کے ماننے والوں کے لئے لازم ہے کہ وہ یہ راستہ اختیار کریں۔

مساوات اور عدل و انصاف کا ایک لازمی تقاضا یہ ہے کہ معاشرے میں قانون کو برتری حاصل ہو' تاکہ ہر شخص اس اطمینان کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے سکے کہ قانون اس کی پشت پر ہے' اس لئے اس کے ساتھ کوئی ناانصافی یا اس کی حق تلفی نہ ہوگی۔ یہ بات اس طرح کہی جاتی ہے جیسے اس سے پہلے دنیا میں اس کا تصور ہی نہیں تھا۔ اسلام نے یہ بات بڑی وضاحت کے ساتھ کہی ہے کہ قانون کے سامنے سب برابر ہیں۔ اس کے مقابلہ میں کسی کو دم مارنے کی اجازت نہ ہوگی۔ مشہور واقعہ ہے جو صحیح بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں موجود ہے کہ بنومخزوم کی ایک عورت نے چوری کی تو نبی ﷺ سے درخواست کی گئی کہ اس عورت نے چوری تو کی ہے لیکن شریف گھرانے کی ہے' اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے' کوئی اور سزا دے دی جائے۔ نبی ﷺ کو یہ بات سخت ناگوار گزری۔ آپؐ نے فرمایا کہ پچھلی قومیں اسی

طرح تباہ ہوئی ہیں کہ ان میں جو بااقتدار اور شریف سمجھے جاتے تھے انہوں نے اگر کوئی غلط کام کیا تو ان کو سزا نہیں دی گئی اور جو کمزور تھے ان کو سزا دی گئی۔ پھر اس کے بعد وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا جو شاید پیغمبر ہی کی زبان سے نکل سکتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو آج میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔ ظاہر ہے کہ اس سے برتر تصور پیش نہیں کیا جا سکتا کہ قانون ہو تو سب کے لئے ہو۔ بڑے کے لئے بھی' چھوٹے کے لئے بھی' مرد کے لئے بھی' عورت کے لئے بھی۔ اس سے کوئی مستثنیٰ نہ قرار پائے۔ یہ اتنا صاف اور واضح تصور ہے کہ اس سے بہتر تصور دنیا میں کہیں نہیں ہے۔

کہا جاتا ہے کہ انصاف کے لئے ضروری ہے کہ جرم عدالت سے ثابت ہو۔ اس کے بغیر سزا نہ دی جائے۔ یہ تصور بھی شاید اسلام ہی سے اخذ کیا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: وَاللّٰهِ لَا يُؤْسَرُ رَجُلٌ فِي الْإِسْلَامِ بِغَيْرِ عُدُوْلٍ ''قسم خدا کی! کسی شخص کو قید نہیں کیا جائے گا جب تک کہ عادل لوگ اس کے مجرم ہونے کی گواہی نہ دیں''۔

اسلام کے نزدیک یہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ دیکھے کہ قانون کہیں مجروح تو نہیں ہو رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((اَلْإِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ)) کہ امام تو چرواہا ہے' جس طرح ایک چرواہا بکریوں کے ریوڑ کا ذمہ دار ہوتا ہے اسی طرح امام بھی اپنی رعیت کا ذمہ دار ہے۔ اس کی حیثیت کسی بادشاہ کی نہیں بلکہ چرواہے کی ہے جو یہ دیکھتا رہتا ہے کہ کہیں کسی پر ظلم تو نہیں ہو رہا ہے۔ ریاست اس بات کی نگرانی کرتی رہے گی کہ کسی کا حق ضائع نہ ہونے پائے۔

ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ انسان کو اپنی بنیادی ضرورتیں پوری کرنے کا حق ملنا چاہئے۔ اسلام کا نقطۂ نظر اس معاملے میں بالکل واضح ہی نہیں بہت وسیع ہے۔ وہ کہتا ہے کہ پوری زمین میں انسانوں کے فائدے کی چیزیں رکھی گئی ہیں۔ ﴿وَجَعَلْنَا فِيْهَا مَعَايِشَ﴾ یعنی زمین میں معاش کے ذرائع رکھ دیئے گئے ہیں۔ اسے حاصل کرنے کا ہر ایک کو حق ہے۔ ایک جگہ فرمایا: ﴿فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ﴾ کہ زمین کے ہر گوشے پر چلو پھرو' اس کے کنارے کنارے چلتے جاؤ اور اللہ نے جو رزق رکھا ہے اسے حاصل کرو۔ اسلام کے نزدیک حصولِ معاش میں کوئی ناجائز رکاوٹ قانوناً جرم ہے۔ اسلام انسان کو معاشی جدوجہد کی آزادی فراہم کرنے کے ساتھ اس بات کو بھی یقینی بناتا ہے کہ انسان کو اچھی غذا ملے۔ وہ گندی غذا اور گلی سڑی چیزیں کھانے پر مجبور نہ ہو جائے۔ قرآن کہتا ہے کہ اللہ کا انسان پر یہ

احسان ہے کہ اسے طیبات دی گئی ہیں۔ انسان اس لئے نہیں ہے کہ وہ گندی اور ملاوٹ کی چیزیں کھائے۔ وہ کہتا ہے کہ اسے طیب اور پاک صاف غذا ملنی چاہئے۔ یہ اس کا حق ہے۔ اس کے نزدیک لباس بھی انسان کی ایک فطری ضرورت ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام جب ننگے ہو گئے تو انہوں نے کہا اے اللہ میں ننگا ہو گیا ہوں۔ کچھ نہیں ملا تو درخت کے پتوں ہی سے خود کو چھپانے لگے۔ اسلام کی رُو سے انسان کی یہ فطری ضرورت بھی لازماً پوری ہونی چاہئے۔ اسی طرح اسے مکان ملنا چاہئے اور حسب سہولت اس کے پاس خادم بھی ہونا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو ہم سرکاری خدمت پر لیں گے اگر اس کی شادی نہیں ہوئی ہے تو اس کو یہ حق ہے کہ بیت المال سے شادی کرے، اپنے لئے کپڑے کا انتظام کرے۔ وہ اپنے لئے مکان بھی بنا سکتا ہے اور سواری بھی رکھ سکتا ہے۔ اس سے زیادہ کا حق اس کو نہیں ہوگا۔ علمائے کرام نے لکھا ہے کہ اس کا تعلق اس بات سے ہے کہ ریاست کی معاشی پوزیشن کیا ہے؟ بہر حال اسلامی ریاست یہ ذمہ داری لیتی ہے کہ کوئی شخص بھوکا پیاسا نہ رہے اور کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ اب میرا کوئی پوچھنے والا نہیں رہا۔ صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ: ((مَنْ تَرَكَ مَالاً فَلِوَرَثَتِهِ)) یعنی کوئی شخص اس حال میں دنیا سے جا رہا ہے کہ اس نے مال چھوڑا ہے تو یہ اس کے وارثوں کا حق ہے۔ ((وَمَنْ تَرَكَ عَيَالاً فَإِلَيَّ أَنَا وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ)) آپؐ نے فرمایا کہ کوئی بال بچے چھوڑ کر جاتا ہے، مال چھوڑ کر نہیں جاتا ہے تو اس کا ولی میں ہوں گا اور اس کی نگہداشت میرے ذمے ہے۔ اس کے سلسلے میں علماء نے لکھا ہے کہ یہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ کوئی فرد اور کوئی بچہ بھوکا نہ رہے، اس کی ضروریات پوری ہونے سے نہ رہ جائیں۔ خاندان میں اس کا کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہیں ہے تو ریاست اس کی ضرورت پوری کرنے کی ذمہ دار ہوگی۔ اس کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ انسان دنیا کو مقصود نہ بنائے۔

حقوق کے ذیل میں سماجی و معاشرتی حقوق کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ اسے لازماً ملنے چاہئیں۔ سماجی اور معاشرتی حقوق کا تصور یہ ہے کہ آدمی سماج اور معاشرے میں فعال کردار (active part) ادا کر سکے۔ یہ اس کا حق ہے کہ اسے بے کار بنا کے نہ رکھ دیا جائے۔ اس پر ایسی پابندیاں نہ ہوں کہ وہ کچھ نہ کر سکے۔ اسلام میں اس کا تصور بالکل واضح ہے۔ اسلام فکر و عمل کی آزادی کا قائل ہے۔ جو لوگ غور و فکر نہیں کرتے ان کے بارے میں وہ کہتا ہے کہ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ جانوروں کی طرح بے سوچے سمجھے زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ دنیا کے آغاز و انجام پر غور کریں اور سمجھیں۔ عمل کی بھی وہ پوری آزادی دیتا ہے۔ صرف اس بات کی

پابندی ہے کہ انسان کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جس سے فساد پھیلے اور معاشرہ کو نقصان پہنچے۔ پیغمبروں کی دعوت کی اوّلین بنیاد توحید ہوتی تھی یعنی یہ کہ اللہ واحد کی عبادت کرو۔ اور پھر وہ کہتے تھے: ﴿لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا﴾ اللہ نے اپنے قانون کے ذریعے زمین میں اصلاح کی ہے' اس میں بگاڑ نہ پیدا کرو۔ اللہ نے اپنے قانون کو اصلاح کا ذریعہ بنایا ہے' اس کی موجودگی میں فساد برپا نہ کرو۔

اظہارِ خیال کی آزادی انسان کا ایک بنیادی حق ہے۔ اسلام نے اسے یہ حق عطا کیا ہے۔ اس کے نزدیک انسان کے اس حق پر ناروا پابندی نہیں لگنی چاہئے۔ لیکن وہ اس بات کا اسے پابند بناتا ہے کہ اظہارِ خیال کے نام پر وہ بے حیائی نہ پھیلائے' کسی کی دل آزاری نہ کرے' کسی کا مذاق نہ اڑائے' کسی کی عزت و آبرو سے نہ کھیلے اور ملک و ریاست کو خطرے میں نہ ڈالے اور اس کے خلاف سازش نہ کرے۔ ان شرائط کے ساتھ اسے اظہارِ رائے کی آزادی ہے اور دنیا کا کوئی قانون ایسا نہیں ہے جو اُس پر اِس نوعیت کی پابندی نہ لگاتا ہو۔ یہ اور بات ہے کہ آج بہت ساری چیزوں کا شمار بے حیائی میں نہیں ہے' اس کی اجازت دے دی گئی ہے۔

یہ بھی انسان کا ایک حق سمجھا جاتا ہے کہ اسے خاندان بسانے کی اجازت ہو۔ اس لئے کہ خاندان انسان کی ایک فطری ضرورت ہے۔ اس معاملے میں اسلام کی تعلیمات اتنی واضح ہیں کہ اس کی وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خاندان خدا کا عطیہ اور انعام ہے۔ آدمی کے بچوں اور پوتوں کا پھیلنا اس کے لئے زحمت نہیں بلکہ باعثِ رحمت ہے۔ خاندان کے سلسلہ میں اس سے بڑی بات اور کیا کہی جا سکتی ہے؟ پھر یہ کہ اس نے خاندان کا پورا سسٹم دیا ہے اور اسے باقی رکھنے کی تاکید کی ہے۔

تنہائی اور خلوت (privacy) کو بھی انسان کا ایک حق تسلیم کیا گیا ہے۔ قرآن نے نہ صرف یہ کہ یہ حق دیا ہے بلکہ اس کی تاکید کی ہے کہ کسی کی نجی زندگی میں مداخلت نہ کی جائے' یہاں تک کہ حکومت کو بھی اس میں مداخلت کا حق نہیں ہے۔

یہ بھی انسان کا ایک بنیادی حق تسلیم کیا جاتا ہے اور اسلام میں یہ حق پہلے سے موجود ہے کہ انسان کو ملک و ملت کی خدمت کا اور تنقید اور اصلاحِ حال کا موقع ملنا چاہئے۔ اسلام نے انسان کو یہ حق فراہم کیا ہے اور بتایا ہے کہ جو انسان ملک کی خدمت کرتا ہے وہ بہترین اور قابل قدر انسان ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قوی مؤمن ضعیف مؤمن سے بہتر ہے' اس لئے کہ طاقتور مؤمن انسانوں کی' سماج اور معاشرے کی خدمت کرے گا۔ جو کمزور ہے وہ کیا

خدمت کر سکے گا! ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ وہ مومن جو لوگوں سے ملتا جلتا ہے' ان کی تکلیفوں کو برداشت کرتا ہے وہ بہتر ہے اس سے جو نہ کسی سے ملتا ہے اور نہ تکلیفیں برداشت کرتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ انسان کا حق ہے کہ وہ سوسائٹی کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرے۔ منافقوں سے کہا گیا کہ تمہاری سرگوشیاں تمہارے حق میں سودمند نہیں' ہیں اس لئے کہ یہ ایک طرح کی سازشیں ہیں۔ ہاں اگر تم لوگوں کی اصلاح اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی بات کرو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا اور اللہ اجر عظیم سے نوازے گا۔ (النساء: ۱۱۴)

ایک اور چیز جس کا آج بڑا چرچا ہے' وہ ہے دفاع۔ اس بات کو تو دنیا تسلیم کرتی ہے کہ ہر ایک کو دفاع کا حق ہے۔ کوئی شخص کسی کی جان لینا چاہے' کسی کی عزت و آبرو پر حملہ آور ہو یا کسی کا مال چھیننا چاہے' اس کی جائیداد پر قبضہ کرنا چاہے' اس کے گھر کو آگ لگانا اور اس کے بیوی بچوں پر حملہ کرنا چاہے' تو ظاہر ہے وہ خاموش نہیں بیٹھے گا' اس کا دفاع کرے گا۔ لیکن اس میں بے احتیاطی دو طرف سے ہوتی ہے۔ کبھی تو یہ ہوتا ہے دفاع کے نام پر آدمی ان باتوں کا خیال نہیں رکھتا جن کا خیال رکھنا چاہئے۔ اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ دہشت گردی اور تشدد کے نام پر آدمی کو دفاع کے حق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اسلام میں دفاع کا بہت واضح تصور موجود ہے کہ دفاع کب ہونا چاہئے اور کیسے ہونا چاہئے' وہ کن حالات میں جائز ہے اور کس حد تک جائز ہے اور کہاں حدود سے تجاوز ہوتا ہے؟ یہ تمام چیزیں قرآن و حدیث میں موجود ہیں اور ہمارے علماء و فقہاء نے بھی بڑی تفصیل سے اس پر لکھا ہے۔ دفاع انسان کا بنیادی حق ہے' لیکن اگر دفاع کے نام پر ظلم ہو تو یہ غلط ہے۔ یہاں انفرادی دفاع کی بات ہے۔ ریاست اور ریاست کے درمیان جو مقابلہ ہوتا ہے اس کی یہاں بحث نہیں ہے۔

کسی جمہوری آئین کی ایک لازمی خصوصیت یہ سمجھی جاتی ہے کہ اس میں اقلیتوں اور کمزور طبقات کے لئے تحفظ فراہم کیا جائے' انہیں دوسروں کے مساوی حقوق دیئے جائیں' ان کی حق تلفی نہ ہونے دی جائے اور انہیں ظلم و زیادتی سے بچانے کی تدبیر کی جائے۔

اسلام کے آنے سے پہلے کمزوروں کے حقوق عرب ہی میں نہیں دنیا میں کسی بھی جگہ محفوظ نہیں تھے۔ ان کا بری طرح استحصال ہو رہا تھا اور ان پر ظلم اور زیادتی آخری حد تک پہنچ چکی تھی۔ اسلام نے شروع ہی سے ان کے حق میں آواز اٹھائی اور اُن پر جو ظلم و زیادتی ہو رہی تھی اس پر سخت وعید سنائی اور دنیا و آخرت میں اس کے برے انجام سے خبردار کیا۔ اس نے خواتین' زیر دستوں اور محکوموں' یتیموں' لاوارث بچوں' معذوروں' بوڑھوں اور ضعیفوں کے

حقوق صرف بیان ہی نہیں کیے بلکہ عملاً فراہم کیے اور معاشرہ کو ان کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کی ترغیب دی اور ہمدردی اور تعاون کا جذبہ پیدا کیا۔

حقوق انسانی کے علم بردار مذہبی آزادی کو بھی انسان کا ایک حق قرار دیتے ہیں۔ اسلام نے بہت واضح الفاظ میں اس کا اعلان کیا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو تمام لوگوں کو اپنے دین کا پابند بنا دیتا' کوئی اس سے بغاوت نہ کرتا۔ لیکن اللہ نے مذہب کے معاملہ میں انسان کو آزادی دی ہے اور اس کی یہ آزادی باقی رہنی چاہئے۔ اسی میں اس کا امتحان ہے۔ حضور ﷺ سے کہا گیا کہ آپ منکرین حق کے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں۔ ﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ یعنی آپ کی ذمہ داری نہیں ہے کہ لازماً انہیں راہِ راست پر لے آئیں' بلکہ یہ اللہ کا کام ہے' وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ یہ بھی بتایا کہ: ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ یعنی دین کے سلسلے میں کوئی جبر نہیں ہے' ہمارا کام یہ واضح کرنا تھا کہ ہدایت کیا ہے اور ضلالت کیا' وہ کر دیا گیا۔ اب یہ آدمی کا اختیار ہے۔ ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔ قرآن نے کہا کہ مذہب پر گفتگو بھی ہو سکتی ہے لیکن یہ گفتگو تہذیب کے دائرے میں ہونی چاہئے۔ ہدایت ہے: ﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ یعنی مذہب پر گفتگو ہو تو سلیقے اور تہذیب سے ہو۔ اس کے لئے غلط اور ناشائستہ انداز نہ اختیار کیا جائے۔ ہمارے علماء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم اسلامی ریاست میں علی الاعلان یہ کہتا ہے کہ میں قرآن کو اللہ کی کتاب نہیں مانتا' محمد ﷺ کو اللہ کا رسول نہیں تسلیم کرتا تو بھی اسلامی حکومت اس کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرے گی۔ ہاں' اگر وہ بدزبانی پر اتر آئے تو اس کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ کی شان میں یا حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام یا کسی بھی پیغمبر کی شان میں گستاخی ایک قابلِ تعزیر جرم ہے۔ اس کے ارتکاب پر اسلامی ریاست قتل کی سزا تک دے سکتی ہے۔ اسی طرح کسی بھی مذہب کے بانی یا اس کی محترم شخصیات کی توہین و تحقیر اور اس کے متعلق بدکلامی سزا کی مستحق ہو گی اور قانون کے مطابق اس پر سزا دی جائے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ جو حقوق کسی فرد یا طبقہ کو لازماً ملنے چاہئیں اسلام وہ تمام حقوق فراہم کرتا اور انسان کے فطری تقاضوں کی بہتر انداز میں تکمیل کرتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ وہ دنیا ہی کی کامیابی کا نہیں' آخرت کی فوز و فلاح کا بھی ضامن ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے دونوں جہان کی کامیابی کے لئے کسی دستور اور ضابطۂ حیات کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔